خانقاہ عارفیہ پر کیے جانے والے

بعض اعتراضات کی حقیقت

از قلم

ناظم اشرف مصباحی

نشر

آنلائن ایڈیشن

فہرست مضامین

امام شافعی فرماتے ہیں:

کل العداواۃ قد ترجی مودتھا
إلا عداوۃ من عاداک من حسدِ

ترجمہ:

ہر عداوت کے بعد محبت کی امید کی جاسکتی ہے۔ سوائے اس عداوت کے جس کی بنیاد حسد پر قائم ہے۔

خانقاہ عارفیہ پر کیے جانے والے

بعض اعتراضات کی حقیقت

نوٹ: آج ہندوستانی مسلمان جس کرب سے گذر رہا ہے، زعفرانی گروہ نے جو مسلم مخالف ماحول بنایا ہے، حکومت کی سرپرستی میں گئو رکھشا کے نام پر مسلمانوں کا قتل کیا جا رہا ہے۔ اخلاق کے قتل کے بعد مسلسل بربریت کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے اور حال ہی میں راجستھان کے واقعہ نے پورے ملک کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ایسے حالات میں مسلمانوں پر لازم ہو چکا ہے کہ وہ اپنے سارے مشربی اور مسلکی اختلافات بھلا کر اسلام کے نام پر متحد ہو جائیں۔ ایسے نازک حالات میں چند شر پسند حضرات فروع در فروع مسائل کو لے کر محاذ آرا ہیں، جس کی وجہ سے ہم قلم اٹھانے پر مجبور ہیں۔ تاہم جب اکیسویں کی صدی کے ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ رقم ہوگی تو اس میں ہمارا یہ منہج و موقف بھی واضح رہے گا کہ ہم نے امت کو انتشار سے بچانے کی بھرپور کوشش کی۔ اگر دشمنوں کے شعوری و غیر شعوری آلۂ کار حضرات نے ہم پر حملہ کیا تو ذاتیات پر حملہ کیے بغیر، طنز و تعریض، بدخلقی اور الزام تراشی سے بچتے ہوئے ہم نے مکالماتی صورت میں اپنی بات رکھی اور ان کے لگائے گئے الزامات کی حقیقت سامنے رکھ دی۔ اللہ ہمیں اپنے اصل مسائل سمجھنے کی توفیق بخشے۔

تقلید بیزاری کا الزام اور اس کا جائزہ

حضرت داعی اسلام دام ظلہ کی مثنوی کا مجموعہ بنام نغمات الاسرار شائع ہوا ہے۔ جس میں مولانا ذیشان احمد مصباحی صاحب کا مقدمہ بھی شامل ہے۔ اس میں انہوں نے اس کتاب کا تعارف، پس منظر و پیش منظر بیان کرتے ہوئے حضرت داعی اسلام کی شخصیت کے چند پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا ہے۔ خانقاہ عارفیہ کے بعض ناقدین اس مقدمہ سے چند عبارتوں کو نقل کر کے غلط اور باطل معنی پہنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ عبارتیں یہ ہیں:

(۱)''وہ حنفی ہیں مگر ان کی تقلید میں جمود نہیں۔'' (مقدمہ نغمات الاسرار، ص:۱۱)

(۲)''حضرت کی شخصیت ایک جہت سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی سی ہے تو دوسری طرف جب فقہ وافتا کی بات آتی ہے تو کبھی کبھی نگاہ کوتاہ بین کو تقلید کی زنجیریں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔'' (مقدمہ نغمات الاسرار، ص:٦)

ان دونوں اقتباس کو نقل کر کے یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ:

۱۔خانقاہ عارفیہ تقلید شخصی سے بیزار ہے۔

۲۔اس میں مقلدین حضرات پر طعن وتشنیع کی گئی ہے (کہ اس میں علما، اولیا، صلحا، صوفیہ اور اتقیا بلکہ سید الاولیا، سند الاتقیا حضور غوث اعظم جیلانی، امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی اور سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین اجمیری وغیرہ تمام مقلدین کو کوتاہ بین کہا گیا ہے۔)

۳۔اوران کی تقلید پر جمود کا الزام لگایا گیا ہے۔

تعجب تو یہ ہے کہ ایک دو عبارات جو آج سے چند سال پہلے ایک صاحب نے اپنی انتشار پھیلانے والی کتاب میں لکھا تھا۔اب تک وہی عبارتیں گردش کر رہی ہیں۔خانقاہ کی طرف سے بار بار اس بات کی وضاحت کرنے کے بعد کہ یہ ساری باتیں محض اتہام والزام ہیں۔پھر بھی یر ذمہ داروں کے ساتھ کچھ ذمہ دار علما نے بھی اس سلسلے میں غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے اور شریعت کو پامال کیا ہے۔اللہ انہیں ہدایت عطا فرمائے۔

الحمدللہ! خانقاہِ عارفیہ و جامعہ مذہب حنفی کی پیروکار ہے۔ سارے علما و اولیا وصلحا کی تعظیم و تکریم کا درس دیتی ہے۔ ہاں ان کی تقلید میں جمود نہیں ہے یعنی حالات زمانہ اور ضرورت و حاجت کے وقت مسائل میں تحقیق بھی کرتی ہیں۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سمیت تمام محققین فقہا نے عمل کیا ہے اور اس کے قوانین وضع کیے ہیں۔

منصف قارئین خود فیصلہ کریں کہ پہلے اقتباس میں صاف لکھا ہے کہ ”وہ حنفی ہیں۔“ یعنی امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ کے مقلد ہیں تو اس میں تقلید بیزاری کا معنی کہاں سے آ گیا؟ آگے لکھا ہے: ”مگر ان کی تقلید میں جمود نہیں ہے۔“ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ مقلد تو ہیں مگر اندھے مقلد نہیں جیسا کہ وہابیہ اعتراض کرتے ہیں ، بلکہ ان کا طریقہ مشائخ عظام اور صوفیائے کرام کی طرح ہے کہ فروعی مسائل میں حالات زمانہ اور ضرورت و حاجت کے وقت اپنی تحقیق پر عمل کرتے ہیں۔ اس سے تقلید بیزاری نہیں بلکہ تقلید کی ضرورت و اہمیت کے ساتھ حقیقت تقلید بھی واضح ہو جاتی ہے۔

اس جملے کو کرافواہ پھیلانے کا مطلب ہے کہ معترضین حضرات خانقاہی نظام، احوالِ مشائخ اور طریقۂ تصوف کے ساتھ فقہ و اصول فقہ سے بھی نا آشنا ہیں یا تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں۔

پھر آگے دوسرے اقتباس میں صاف لکھا ہے کہ: ”نگاہ کوتاہ بیں کو تقلید کی زنجیریں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔“ یعنی جن کی نگاہیں کوتاہ ہیں ان کو تقلید کی

زنجیریں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔لیکن افسوس ان حضرات کی سادگی پر کہ انہوں نے اس جملے کے ضمن میں بزرگان دین کو گھسیٹنے کے چکر میں بزرگان دین کو''کوتاہ بین'' کی فہرست میں شامل کردیا۔اللہ اکبر! یہ کیسی جرات ہے کہ ایک سنی ہوکر علما وفقہا اور صوفیہ کرام کو''کوتاہ بین'' تصور کرے؟ جب کوتاہ بینوں کی بات آئی تو اسے خود پر قیاس کرتے ، اپنے معاصر علما کو قیاس کرتے کہ اس عبارت میں''کوتاہ بیں'' سے مراد ہم ہی ہیں، اگراس سے ان کی شان کم ہوتی نظر آتی تھی تو علمائے سید سرواں کو''کوتاہ بین''فرض کرلیتے، اگراس سے بھی جی نہیں بھرتا تو مصنف سے پوچھ لیتے۔لیکن پتہ نہیں بزرگوں کو زبردستی پیچ میں لاکر وہ کیا تاثر دینا چاہتے ہیں؟ وہی جانیں یا غیر جانب دار قارئین۔ہم تو صرف آئینہ دکھانے والے ہیں۔

ہم ایسے عقیدے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اور کبھی یہ جرات نہیں کرسکتے کہ علما، اولیا، صلحا، صوفیہ اور اتقیا بلکہ سید الاولیا، سندالاتقیا حضور غوث اعظم جیلانی ، امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی اور سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین اجمیری وغیرہ کو''کوتاہ بین'' تصور بھی کریں۔

ہم علی الاعلان اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگ صاحبانِ بصیرت اور صاحبان شعور ہیں کہ کوتاہ بیں۔اہل سنت و جماعت کے بزرگان کرام اس تہمت سے بری ہیں۔

اب تک کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ خانقاہ کے مخالفین حضرات ان عبارتوں سے جو الزامات لگاتے ہیں وہ محض مخالفین کا فریب ہے جو خود ان عبارتوں سے واضح ہے۔ الحمدللہ خانقاہ عارفیہ و جامعہ عارفیہ ان سے بری ہے۔

عبارتوں کا صحیح مطلب اور توضیح

اب آیئے ذرا اس عبارت کی حقیقت کی طرف نظر کرتے ہیں اور اس کی مختصر توضیح پیش کرتے ہیں:

اس میں صاف طور سے کہا گیا ہے کہ جو لوگ نگاہ کوتاہ بین ہیں، لکیر کے فقیر ہیں، فقہ اور اصول فقہ کے دلائل کو سمجھنے کا شعور نہیں رکھتے اور جو فقہی اصطلاحات و اصول سے واقفیت نہیں رکھتا وہ محققین کی تقلید میں شک کرے گا۔

اس بات کو اصولی اعتبار سے سمجھنے کے لیے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی اس عبارت پر غور کریں جو بالکل مذکورہ بالا عبارت کی طرح ہے:

اعلیٰ حضرت کے ایک رسالہ بنام ”اَجلَی الاِعلام اَنّ الفتوٰی مُطلقاً علٰی قولِ الاِمام“ کے تعارف میں ہے:

”رسالہ جلیلہ اس امر کی تحقیق عظیم میں کہ فتوٰی ہمیشہ قول امام پر ہے اگر چہ صاحبین خلاف پر ہوں اگر چہ خلاف پر فتوٰی دیا گیا ہو، اختلاف زمانہ ضرورت و تعامل وغیرہا جن وجوہ سے قول دیگر پر فتوٰی مانا جاتا ہے وہ در حقیقت قول امام ہی ہوتا ہے۔“

اس کے بعد اعلی حضرت کا یہ اقتباس پڑھیں اور فیصلہ کریں:

''اقول وباللہ التوفیق، قول کی دو قسمیں ہیں (۱) قول صوری (۲) قول ضروری۔۔قول صوری وہ جو کسی نے صراحۃً کہا اور اس سے نقل ہوا، اور قول ضروری وہ ہے جسے قائل نے صراحۃً اور خاص طور پر نہ کہا ہو مگر وہ کسی ایسے عموم کے ضمن میں اس کا قائل ہو جس سے ضروری طور پر یہ حکم برآمد ہوتا ہے کہ اگر وہ اس خصوص میں کلام کرتا تو اس کا کلام ایسا ہی ہوتا، کبھی حکم ضروری، حکم صوری کے خلاف بھی ہوتا ہے، ایسی صورت میں حکم صوری کے خلاف حکم ضروری راجح وحاکم ہوتا ہے یہاں تک کہ صوری کو لینا قائل کی مخالفت شمار ہوتا ہے اور حکم صوری چھوڑ کر حکم ضروری کی طرف رجوع کو قائل کی موافقت یا اس کی پیروی کہا جاتا ہے، مثلاً زید نیک اور صالح تھا تو عمرو نے اپنے خادموں کو صراحۃً علانیۃً زید کی تعظیم کا حکم دیا اور بار بار ان کے سامنے اس حکم کی تکرار بھی کی، اور اس سے ایک زمانہ پہلے ان خدام کو ہمیشہ کیلئے کسی فاسق کی تکریم سے ممانعت بھی کر چکا تھا۔ پھر کچھ دنوں بعد زید فاسق معلن ہو گیا، اب اگر عمرو کے خدام اس کے مکرر ثابت شدہ صریح حکم پر عمل کرتے ہوئے زید کی تعظیم کریں تو عمرو کے نافرمان شمار ہوں گے اور اگر اس کی تعظیم ترک کر دیں تو اطاعت گزار ٹھہریں گے۔'' (فتاویٰ رضویہ جدید، جلد:۱، ص:۱۰۹، مطبع مرکز اہل سنت برکات رضا)

اس عبارت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ بعض اوقات ضرورت اور تعامل کی وجہ سے اگر قول امام سے عدول کیا جائے تو درحقیقت قول امام ہی پر عمل ہے نہ کہ اس کی مخالفت۔ اعلی حضرت کی پیش کردہ مثال میں نگاہ کوتاہ بین یہ سمجھے گا

آقا نے بار بار اس غلام کی اطاعت کا حکم دیا ہے اس لیے اس کی مخالفت آقا کی مخالفت ہے، لیکن یہ اس کی کوتاہ بینی اور بے بصیرتی ہے جو حقیقت اور اصل کو نہیں سمجھ پا رہا ہے۔

آگے اعلیٰ حضرت مزید فرماتے ہیں:

''فالعمل بقولہ الضروری الغیر المنقول عنہ ھو العمل بقولہ لا الجمود علی المأثور من لفظہ'' یعنی ایسی صورت میں ان کے ضروری قول پر عمل جو آپ سے منقول نہ ہو، یہ آپ ہی کے قول پر عمل ہے۔ نہ یہ کہ آپ کے منقول قول پر جمود ہے۔ (ایضا، ص:۱۱۰)

اب لگائیے اعلیٰ حضرت پر فتویٰ کہ انہوں نے مذکورہ صورت میں قول امام کی مخالف نہ کرنے کو جمود سے تعبیر کیا ہے اور یہ کہ اعلیٰ حضرت نے علما، اولیا، صلحا، صوفیہ اور اتقیا بلکہ سید الاولیا، سند الاتقیا حضور غوث اعظم جیلانی، امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی اور سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین اجمیری وغیرہ کو ''مقلد جامد'' کہہ دیا۔ کیا یہاں بھی وہی جرات دکھائی جائے گی؟ اللہ ایسی ایمان ہلاک کرنے والی جرأت سے محفوظ و مامون رکھے۔

الحمد للہ حضرت داعی اسلام کی تقلید میں بھی جمود نہیں ہے بلکہ نگاہ کوتاہ بین کو بعض اوقات تقلید کی زنجیریں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ہندو پاک میں ٹرین پر نماز کے جواز و عدم جواز پر کافی اختلاف رہا ہے۔ لیکن حضرت شیخ ادام اللہ ظلہ علینا ۱۹۸۲ء ہی سے ٹرین پر

نماز کے جواز کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ اس پر عامل بھی ہیں۔ اس کے جواز میں علما میں حضرت غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۰۰۰ء کے آس پاس اپنی تحقیق پیش کی اور اس موضوع پر جامعہ اشرفیہ مبارک میں سیمینار تو بہت بعد میں ہوا۔ یہ حضرت کی تحقیقی نظر اور فقہی بصیرت کی اعلی مثال ہے۔ اگر اُس زمانے میں علما کی نظر میں یہ بات آتی تو یقیناانہیں طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے، کیوں کہ کسی کی نگاہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھی جہاں حضرت داعی اسلام کی نظر تھی۔ جب آج کے کوتاہ بین ان پر تقلید مخالف کا الزام لگا رہے ہیں حالاں کہ آپ اصل اور حقیقت تقلید پر عمل کرتے ہیں تو اس زمانے کے بارے میں تصور کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں جن کو پھر کبھی بیان کیا جائے گا۔

تو یہ ہے اس عبارت کا اصل مطلب جنہیں بعض کرم فرما غلط معنی پہنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

خانقاہ عارفیہ اور علما کی توہین کا مسئلہ

اسی ضمن میں الاحسان شمارہ: ۴ کی یہ عبارت بھی نقل کی جاتی ہے:

”اگر تم حنفی ہو تو بتاؤ کہ ان تینوں فقہی مذاہب؛ حنبلی، مالکی اور شافعی کے پیروکاروں میں کوئی اللہ کا ولی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو بتاؤ کہ کسی ولی کی اقتدا میں نماز ہوگی یا نہیں؟ افسوس کہ ایک حنفی نماز تو چھوڑ سکتا ہے مگر کسی شافعی یا حنبلی کی اقتدا نہیں کر سکتا! تعجب ہے کہ تم اپنے اصول کا دوسروں کو پابند بناتے ہو، جب کہ ان کے پاس بھی قرآن وسنت سے مستنبط اصول موجود ہیں، جن کو تم بھی برحق کہتے ہو۔ بتاؤ کیا تم تضاد بیانی کے شکار نہیں ہو؟ زبان سے برحق مانتے ہو اور دل سے باطل قرار دیتے ہو، قولاً حق گردانتے ہو اور فعلا اس کا بطلان کرتے ہو۔ کیا یہ نفاق خفی نہیں ہے؟“

(الاحسان: ۴، ص: ۲۳)

اس سے بھی یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ عبارت بھی تقلید بیزاری کی دلیل ہے۔

اس عبارت کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے علمی اعتبار سے چند باتیں ذہن نشیں رکھنے کی ضرورت ہے:

پہلی بات

حنفی اور شافعی بلکہ چاروں مسالک (حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی) اختلافات محض فروعی مسائل میں اختلافات ہیں۔ اور یہ اختلافات صرف مسائل شرعیہ ہے میں ہے عقائد میں نہیں۔ عقیدے کے اعتبار سے سارے مسالک اہل سنت و جماعت ہیں۔

دوسری بات

سارے ائمہ چوں کہ نیک، پرہیزگار اور تقویٰ شعار تھے۔ اس لیے ان لوگون میں کسی قسم کا تعصب اور ایک دوسرے سے نفرت و دوری کا تصور بھی نہیں تھا۔ بلکہ ہر ایک دوسرے کے مسائل کی رعایت کرتے اور آپس میں محبت کا معاملہ رکھتے۔ ان لوگوں کا یہ اصول تھا کہ:

''ہم مصیب ہیں امکان خطا کے ساتھ اور ہمارے مدمقابل امام خطا پر ہیں امکانِ صواب کے ساتھ۔''

تیسری بات

چاروں ائمہ کے مقلدین بالخصوص احناف وشوافع ایک لمبے عرصے تک انہیں فروعی مسائل کی وجہ سے آپس میں دست وگریباں رہے ہیں، ان کا آپسی تعصب اور جھگڑا اس مقام پر پہنچ چکا تھا کہ ایک دوسرے سے سلام و کلام اور بالکلیہ نماز پڑھنا ترک کر چکے تھے۔ یہ ایک لمبی داستان اور بہت ہی دل خراش تاریخ ہے۔ جس پر ان شاء اللہ ''فروعی مسائل میں تشدد: ایک تاریخی جائزہ'' مضمون میں روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔

چوتھی بات

چاروں مسالک کا ایک دوسرے کی اقتدا کے تعلق سے شرعی حکم یہ ہے کہ امام اگر ایک دوسرے کے مسلک کی رعایت کرے تو سب کے نزدیک نماز جائز ہے۔اعلی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے فرماتے ہیں:

''اگر شافعی طہارت و نماز میں فرائض وارکانِ مذہب حنفی کی رعایت کرتا ہے اس کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے، اگرچہ حنفی کے پیچھے افضل اور اگر حال رعایت معلوم نہ ہو تو قدرے کراہت کے ساتھ جائز، اور اگر عادت عدم رعایت معلوم ہو تو کراہت شدید ہے اور اگر معلوم ہو کہ خاص اس نماز میں رعایت نہ کی تو حنفی کو اس کی اقتدا جائز نہیں اس کے پیچھے نماز نہ ہوگی ،صورت اول ودوم میں شریک ہو جائے اور صورت سوم میں شریک نہ ہو، اور چہارم میں تو نماز ہی باطل ہے''۔(فتاوی رضویہ مترجم،جلد ۶،ص:۵۵۸)

اعلی حضرت نے اقتدا کے تعلق سے چار صورتیں ذکر کیں کہ:

۱۔امام اگر حنفی مسائل کی رعایت کرتا ہو تو بلا تردّد جائز ہے۔

۲۔عادت معلوم نہ ہو تو بھی کراہت کے ساتھ جائز۔

۳۔عام طور پر رعایت نہ کرتا ہو تو شدید کراہت کے ساتھ جائز۔

۴خاص اس نماز میں رعایت نہ کرنے کا علم تو جائز نہیں۔

پہلی دوصورتوں میں شریک ہو اور اخیر دو صورتوں میں شریک نہ ہو۔

پانچویں بات

اگر کوئی مجبوری پیش آجائے مثلاً: شہر کی ایک ہی مسجد میں جمعہ کی نماز منعقد ہوتی ہو، یا جماعت حاضر ہو اور پیش امام شافعی المسلک ہو یا شافعی امام آگے بڑھ جائے۔ تو ایسی صورت میں نماز ادا کرلے۔

عبدالرحمن بن محمد بن سلیمان کلیبو لی متوفی ۱۰۷۸ھ ایک حنفی عالم ہیں، ان کی کتاب 'مجمع الانہر' پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا ایک حاشیہ بھی ہے۔ آپ ''مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر'' میں لکھتے ہیں:

''وفي الجواهر فالأحوط أن لا يصلي خلفه هذا إذا لم يعلم وأما إذا علم أنه يتعصب ولم يتوضأ من فصده ونحوه أو لم يغسل ثوبه من المني أو لم يفركه أو توضأ من ماء مستعمل أو نجس أو أشباهها مما يفسد الصلاة عندنا لا يجوز اقتداؤه فإن تقدموا اجاز لقوله عليه الصلاة والسلام صلوا خلف كل بر وفاجر والفاسق إذا تعذر منعه تصلى الجمعة خلفه وفي غيرها ينتقل إلى مسجد آخر وكان ابن عمر وأنس رضي الله تعالى عنهما يصليان الجمعة خلف الحجاج مع أنه كان أفسق أهل زمانه كما في التبيين''(1/ 163)

''ترجمہ: جواہر میں ہے کہ اگر شافعی المسلک کے بارے میں رعایت کا علم نہ ہو تو احتیاطاً اس کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ اور جب معلوم ہو کہ اس نے تعصب سے (یعنی قصداً حنفی مقتدی کی نماز

خراب کرنے اور اس کو چڑھانے کے لیے) فصد وغیرہ کے بعد وضو نہیں کیا، یا منی لگنے کے بعد کپڑے کو دھویا نہیں یا منی کو کھرچ کر پھینکا نہیں، ماء مستعمل، نجس یا ایسے پانی سے وضو کیا جس سے ہمارے (احناف کے) نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے تو ایسے امام کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔ لیکن اگر ایسا شخص (جو تعصب کی بنیاد پر مذکورہ اعمال انجام دیتا ہو) نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھ جائے تو اقتدا کرنا جائز ہے۔ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے: ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لو۔ یہ اس وقت ہے جب اس کو روکنا متعذر ہو تو جمعہ کی نماز ادا کر لے باقی نمازوں کے لیے دوسری مسجد چلے جائے۔ حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما حجاج کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے حالاں کہ حجاج اپنے زمانے کا سب سے بڑا فاسق تھا۔ جیسا کہ تبیین میں ہے۔''

یہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی زمانے میں حنفی شافعی کا اختلاف اور تعصب اس قدر تھا کہ وہ اپنے مخالف مسلک کے مقلد کی نماز خراب کرنے کے لیے جان بوجھ کر رعایت نہیں کرتا تھا۔ اللہ ایسی عصبیت سے محفوظ فرمائے۔

امام ابن ابوالعز حنفی صاحب شرح طحاوی اپنی کتاب ''رسالہ لطیفہ فی حکم الاقتداء بالمخالف'' میں لکھتے ہیں کہ:

''امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ ہارون کو دیکھا کہ انہوں نے پچھنا لگوانے کے بعد وضو کیے بغیر نماز پڑھانے کے

لیے آگے بڑھ گئے اور امام ابو یوسف نے ان کے پیچھے نماز پڑھ لی۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ کے نزدیک تو پچھنا لگانے کے بعد وضو کرنا ضروری ہے، پھر بھی آپ نے کیسے نماز پڑھ لی؟ جواب دیا کہ خلیفہ کی مخالفت کرنا بدعت ہے، اس لیے میں نے نماز پڑھ لی۔‘‘ (ص: ۳۲)

یہاں اگرچہ آپ نے بوجہِ مجبوری اور خلیفہ کے خلاف نہ کرنے کی وجہ سے نماز ادا کی، لیکن اس سے اتنا تو پتہ چل ہی گیا کہ اگر امام رعایت نہ بھی کرے تب بھی نماز ہو جائے گی۔

چھٹی بات

کسی بات کو اگر اس کے سیاق و سباق سے ہٹ کر دیکھا جائے تو بہ آسانی اس میں غلط معنی پیدا کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر قرآنِ پاک کی آیت کریمہ: ’’لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ (نماز کے قریب مت جاؤ) کو ’’وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ‘‘ (نشے کی حالت میں) سے الگ کر کے کوئی شخص یہ کہے کہ: اللہ نے نماز کے قریب جانے سے بھی منع کیا ہے لہٰذا نماز پڑھنا حرام ہے۔ تو یقیناً ایسا شخص خاطی ہوگا۔

اسی طرح ناقل نے الاحسان کی نقل کردہ عبارت کو اس کے سیاق سے ہٹا کر ایک غلط معنی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ منقولہ عبارت سے پہلے صاف طور پر لکھا ہے:

”ضرورت و حاجت کے وقت دوسرے امام کے قول پر عمل کرنے کی ائمہ نے تو اجازت دی ہے، لیکن کیا ترک نماز بھی کسی امام کا مذہب ہے؟“ (الاحسان: ۴، ص: ۲۳)

ہم اوپر یہ معلوم کر چکے ہیں کہ ضرورت و حاجت کے وقت انسان شافعی امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ تو الاحسان کی عبارت کو اس کے سیاق و سباق کے ساتھ ملا کر دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ نفاق خفی کا حکم اس شخص کے لیے ہے جو تعصب یا کسی اور وجہ سے ترک جماعت ہی اپنی عادت بنا لے۔

ساتویں بات

سیاق وسباق کی طرح اگر کسی بات کو اس کے صحیح تناظر اور کونٹیکسٹ (Context) سے ہٹا کر دیکھا جائے تب بھی معنی غلط نکل سکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک کی بہت سی آیتوں کو اگر اس کی شان نزول سے ہٹا کر دیکھا جائے تو بہت ہی غلط معنی پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی لیے علوم القرآن میں شان نزول کو باضابطہ ایک فن کی صورت میں پڑھایا جاتا ہے۔

الاحسان کی منقولہ عبارت کے پیچھے اصل واقعہ یہ ہے کہ جس زمانے میں داعی اسلام کے یہ افادات جمع ہوئے، اس وقت کیرلا اور مصر کے تعلق سے معلوم ہوا کہ وہاں پر شمالی ہند کے حنفی طلبہ شافعی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور عام طور پر جماعت ترک کرتے ہیں۔ (دروغ برگردن راوی) داعی اسلام مدظلہ کی مذکورہ گفتگو کو تناظر میں بھی دیکھنا چاہیے۔

ہمارے حنفی طلبہ کیرلا یا مصر تعلیم حاصل کرنے جاتے ہیں اور تین، چار سال یا اس سے زیادہ کی مدت تک تعلیم حاصل کر کے چلے آتے ہیں۔ وہاں کی مساجد میں اگر شافعی امام ہوں تو وہ وہیں کے انتظامیہ کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں، یعنی ان کو ہٹانے پر قادر بھی نہیں ہیں، ایسی صورت میں امام کے بارے میں معلوم کیے بغیر کہ وہ احناف کی رعایت کرتے ہیں یا نہیں؟ عموماً جماعت ترک کرنا ہمارے اس قول کے منافی ہے کہ شافعی بھی برحق ہیں اور اہل سنت سے ہیں۔ حالاں کہ غالب گمان یہ ہے کہ شوافع ایسے مقام پر ایسا امام متعین کریں گے جو احناف کی بھی رعایت کرتے ہوں۔ ایسی صورت میں مسلسل جماعت ترک کرنا یا شوافع کے پیچھے نماز پڑھنے سے دل میں تنگی محسوس کرنا یقیناً نفاق خفی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

آگے حضرت داعی اسلام نے فرمایا:

”فقہی اصولوں کے اختلاف کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ایک شافعی، حنفی کی اقتدا میں اور ایک حنفی، شافعی کی اقتدا میں نماز ادا نہیں کرتا، خواہ امام اپنے زمانے کا متقی، صالح اور ولی اللہ ہی کیوں نہ ہو؟ بتاؤ کہ اگر ایک حنفی یا شافعی کو غوث اعظم کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کا موقع میسر آئے تو کیا کرے گا؟ ان کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کو اپنی سعادت مندی جانے گا یا یہ کہے گا کہ آپ کی غوثیت قبول مگر میں حنفی یا شافعی ہوں اور آپ مذہبا حنبلی ہیں، اس لیے آپ کی اقتدا میں میری نماز نہ ہوگی؟“ (الاحسان: ۴، ص: ۲۳)

آپ نے ماقبل میں پڑھا کہ کسی زمانے میں حنفی شافعی اختلافات اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ ایک امام دوسرے کی نماز خراب کرنے کے لیے جان بوجھ کر رعایت نہیں کرتا تھا۔کیا غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا دوسرے اللہ کے ولیوں کے تعلق سے یہ تصور بھی کیا جاسکتا ہے کہ وہ تعصب کی وجہ سے رعایت نہیں کریں گے؟ نعوذ باللہ تعالیٰ من ھذا الظن الفاسد۔ اور جب سارے مذاہب میں اللہ کے ولی ہوسکتے ہیں تو پھر یہ خیال کیوں نہیں رہتا کہ یہ شافعی امام اللہ کا ولی بھی تو ہوسکتا ہے؟

اب ذرا منقولہ اقتباس پر بھی غور کریں اور آپ ہی بتائیں کہ اس میں تقلید بیزاری کی بات کہاں سے پیدا ہوگئی؟ حالاں کہ اس میں تو حنفی وشافعی کی بات چل رہی ہے اور ان دونوں کا شمار مقلد مذاہب میں ہوتا ہے۔ائمہ اربعہ کے مقلدین کو نماز کے فرائض و واجبات کی رعایت کے ساتھ ایک دوسرے کی اقتدا میں نماز ادا کرنی چاہیے، یہ شرعاً و مذہباً درست وصحیح ہے۔ اگر یہ رعایت شافعی کرلیں تو کوئی وجہ نہیں کہ حنفی کی نماز شافعی کے پیچھے نہیں ہوگی۔اس کے باوجود اگر کوئی اقتدا سے گریز کرے تو یہ یقیناً نفاق خفی ہے۔کیوں کہ آپ زبان سے ان سب کو آپ برحق کہتے ہیں اور عملاً نماز پڑھنے کو برا جانتے ہیں تو یہ نفاق خفی ہی تو ہوا؟

پھر یہ کہ دور حاضر میں مذاہب اربعہ کے مقلدین کی ایک دوسرے سے دوری اور ناوابستگی مخالفت کی حد تک پہنچی ہوئی ہے،جیسا کہ عقائد میں اشعری

اور ماتریدی کے درمیان ابتداً شدید اختلاف رہا اور ایک دوسرے پر طعن و تشنیع کرنے میں سبقت کرتے رہے۔ اسی طرح آج یہ ماحول ہے کہ ان چاروں مذاہب کے بعض مقلدین نے اپنے طور پر یہ باور کرلیا ہے کہ ہم میں سے کسی کے لیے بھی کسی حال میں دوسرے مذہب پر عمل کرنا جائز نہیں۔ خاص کر بعض احناف اس بات کو حنفیت سے خارج ہونا تصور کرتے ہیں۔ حضرت داعی اسلام ایسے ماحول سے بیزار نظر آتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپس کی دوریاں ختم ہونی چاہیے، نفرتوں کی دیوار گرا کر محبتوں کو فروغ دینا چاہیے اور جہاں تک شریعت نے اجازت دی ہے ایک دوسرے کی اقتدا میں نمازیں بھی ادا کرنی چاہیے، تاکہ دوریاں ختم ہوں۔

لیکن افسوس اتنی صاف عبارت کو بھی داغ دار بنا کر پیش کیا جارہا ہے اور زبردستی تقلید بے زاری ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے بلکہ اسے غیر مقلدیت سے جوڑا جارہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ضرورت کے وقت یا ایک دوسرے کے مذہب کی رعایت کرنے کے باوجود کسی حنفی کا شافعی کی اقتدا کرنا غیر مقلدیت ہے؟ اگر معترضین ایسا سمجھتے ہیں تو انہیں اعتراض کرنے سے پہلے فقہی کتابوں کا مطالعہ کرکے اپنے علم کو وسعت دینا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ عبارت پر یا تو لاعلمی کی بنیاد پر اعتراض کیا جارہا ہے یا جان بوجھ کر غیر مقلدیت سے جوڑنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

☆☆☆☆☆

خانقاہ عارفیہ اور قرأت خلف امام کا مسئلہ

خانقاہ عارفیہ/ جامعہ عارفیہ عہد حاضر کا وہ ایک علمی، فکری اور تعلیمی، تربیتی اور روحانی ادارہ ہے جو ایک مشن کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ جہاں ۴۰/ سے زائد ازہری، مصباحی، علیمی اور ثقافی اساتذہ کی تدریسی ٹیم ہمہ وقت ۷۰۰/ سے زائد طلبہ کی خدمت میں مصروف عمل رہتی ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ۲۰/ سے زائد محققین، مصنفین اور اہل قلم حضرات کی ٹیم شاہ صفی اکیڈمی کی علمی، تحقیقی اور تصنیفی خدمات کے لیے ہمہ وقت خانقاہ/ جامعہ میں موجود رہتی ہے اور تصوف سے متعلق قدیم متون، مخطوطات اور ملفوظات پر تحقیق وتخریج اور ترجمہ وتشریح کے ساتھ متعدد قیمتی علمی خزانے قوم کے حوالے کر چکی ہے۔ جن میں سر فہرست مجمع السلوک اور الرسالۃ المکیہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ شاہ صفی اکیڈمی کی یہ ٹیم تصوف پر ایک نہایت ہی علمی، تحقیقی اور فکری مجلہ سالنامہ ''الاحسان (اردو)'' نکالتی ہے۔ اس وقت ہندو پاک میں اردو زبان میں اس پائے کا تحقیقی مجلہ، وہ بھی تصوف کے موضوع پر ناپید ہے۔ اس مجلّے کے اب تک سات شمارے علما و دانشوران سے اپنی مقبولیت کی سند حاصل کر چکے ہیں اور اس کا آٹھواں شمارہ پریس جانے والا ہے۔

اسی سالنامہ مجلہ الاحسان کے پہلے شمارے کی مندرجہ ذیل عبارت کو زبردستی متنازعہ بنایا جا رہا ہے:

”حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ قرأت خلف امام کے قائل صرف اس لیے تھے کہ ان کے پاس حدیث تھی یہاں انہوں نے قول امام پر عمل کرنے سے زیادہ بہتر قولِ رسول پر عمل کرنے کو خیال کیا اور یہ معمول اس سلسلے میں آج بھی چلا آرہا ہے۔صوفی حکیم ہوتا ہے مقاصد شریعت پر اس کی نگاہ ہوتی ہے۔ضرورت و حاجت کے تحت یا روحانی کشف کی بنیاد پر بعض مسائل میں منفرد ہوتے ہیں اس کے باوجود مقلد ہی ہوتے ہیں۔(الاحسان:۱،ص:۲۵۰)

معترضین اس عبارت سے عجیب وغریب معنیٰ نکال کر خانقاہ عارفیہ کو بدنام کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ یہ مقلدین کی توہین ہے، ائمہ کی گستاخی ہے وغیرہ وغیرہ،جن سے ہمیں کوئی لینا دینا نہیں ہے۔کسی کی بات کو کوئی شخص اپنے پیٹ سے معنیٰ گڑھ کر غلط رخ دیدے تو یہ ان کا اپنا مسئلہ ہے، قائل اس کا ذمہ دار نہیں۔تاہم بہت سے سادہ لوح جو صحیح صورت حال سے واقف ہونا چاہتے ہیں ان کے لیے چند باتیں ضرور عرض کرنا چاہیں گے۔

ایک اجنبی قاری کے ذہن میں یہاں دو سوالات پیدا ہوں گے:

۱۔مسئلہ قرأت خلفِ امام کیا ہے؟ اور اس کے احکام کیا ہیں؟

۲۔اس مسئلے کا خانقاہ عارفیہ سے کیا تعلق ہے؟

پہلے سوال کا جواب

● قرأت خلف امام کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرنا۔

- یہ مسئلہ ائمہ اربعہ کے مابین مختلف فیہ ہے۔
- مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک مقتدی کے لیے قرأت کرنا جائز ہے واجب نہیں۔خواہ جہری نماز ہو یا سری۔
- شوافع کے نزدیک سری ہو یا جہری سورۂ فاتحہ کی تلاوت واجب ہے۔
- احناف کا اس مسئلے میں اختلاف ہے۔اکثر احناف کے نزدیک حکم یہ ہے کہ مقتدی کے لیے قرأت کرنا جائز نہیں۔
- امام اعظم اور امام محمد کے اس سلسلے میں دو اقوال ہیں۔پہلے قول کے مطابق مقتدی کا سورۂ فاتحہ پڑھنا نہ واجب ہے نہ سنت۔اور دوسرے قول کے مطابق نمازوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔تفصیلی اور تحقیقی مضمون ان شاءاللہ پھر کبھی۔

یہاں دو فریق ہوئے۔ایک پڑھنے سے منع کرنے والے اور دوسرے پڑھنا واجب کہنے والے۔

فریق اول کی دلیل

جو لوگ سورہ فاتحہ پڑھنے سے منع کرتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سننا واجب ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الاعراف، 204:7)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اور حدیث میں ہے:

من کان له امام فقراءة الامام له قرأة۔ (سنن ابن ماجہ)

ترجمہ: امام کی قرات مقتدی کی قرأت ہے۔

لہٰذا جب امام قرأت کررہا ہو تو قرآن کے مطابق اس وقت خاموشی لازم ہے، ساتھ ہی امام کی قرأت مقتدی کے لیے کافی ہے۔

فریق ثانی کی دلیل

فاتحہ واجب کہنے والے کا کہنا ہے کہ حدیث میں ہے:

من صلی صلوۃ لم یقرا فیھا بام القرآن فھی خداج ثلاثا غیر تام۔ (صحیح مسلم، 149:1)

جس نے ایسی نماز پڑھی جس میں فاتحہ نہ پڑھی وہ نماز ناقص ہے۔ تین بار فرمایا: مکمل نہیں۔

لہٰذا چاہے امام کے پیچھے پڑھے یا تنہا سورۂ فاتحہ پڑھنا لازمی ہے۔

صوفیہ و مشائخ کا موقف

صوفیہ کرام فقیہ ہوتے ہیں اور مختلف فیہ مسائل میں احتیاط والے پہلو

کو ترجیح دیتے ہیں۔ چنانچہ اس مسئلے میں صوفیہ کرام نے دونوں فریق کے دلائل کو تطبیق دیتے ہوئے ایک بیچ کا راستہ نکالا ہے۔

’’ان کا کہنا ہے کہ چوں کہ قرآن کی تلاوت کے وقت اسے سننا واجب ہے اور امام کی قرأت مقتدی کے لیے کافی ہے، اس لیے جہری نمازوں میں جب امام زور سے قرأت کرے تو اس وقت خاموش رہے تلاوت نہ کرے۔ تاکہ فریق اولی کی دلیل پر عمل ہوجائے۔ اور سری نمازوں میں جب امام آہستہ تلاوت کرے تو اس وقت مقتدی بھی تلاوت کرے۔ تاکہ دوسرے فریق کے دلائل پر عمل ہوجائے۔‘‘

ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ (1047ھ-1130ھ) نے تفسیر احمدی میں لکھا ہے:

’’فان رایت الطائفة الصوفية والمشائخين تراهم يستحسنون قراة الفاتحة للموتم كما استحسنه محمد ايضا احتياطاً فيما روى عنه انتهى۔

یعنی اگر جماعت صوفیہ اور مشائخین حنفیہ کو دیکھو گے تو تمھیں معلوم ہوگا کہ یہ لوگ امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کو مستحسن بتاتے تھے۔ جیسا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ احتیاطاً استحسان کے قائل تھے۔

صوفیہ کرام بالخصوص حضرت خواجہ فریدالدین (589ھ-666ھ)، خواجہ نظام الدین اولیا (636ھ-725ھ) اور صاحب مجمع السلوک شیخ سعدالدین خیرآبادی قدس سرہ (922ھ) سمیت مشائخ سلسلہ چشتیہ صفویہ کا اسی پر عمل رہا ہے۔

اختلاف آج کا نہیں

یہاں یہ بات بھی ذہن نشیں رہنی چاہیے کہ ہندوستان میں وہابیہ کا فروغ شاہ اسماعیل دہلوی (1831ء/1247ھ) سے ہوا۔ انہیں کے بعد وہابیہ دو حصوں دیوبندی اور اہل حدیث میں بٹ گئے۔ آپ اچھی طرح غور کرسکتے ہیں کہ یہ مسئلہ وہابیوں یا غیر مقلدین کا نہیں ہے بلکہ ائمہ اربعہ اور فقہائے احناف کا مسئلہ ہے۔ کیوں کہ غیر مقلدین تو تیرہویں صدی ہجری کے پیداوار ہیں جب کہ یہ مسئلہ دوسری صدی سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ اور یہ مسئلہ احناف کے ہاں بھی شروع سے مختلف فیہ رہا ہے۔ اسی لیے ناچیز نے ان بزرگوں کے ناموں کے ساتھ ان کی تاریخ پیدائش اور وفات درج کردیا ہے تاکہ قارئین زمانے کا صحیح تعین کرسکیں۔ اب آتے ہیں دوسرے سوال کی طرف کہ اس مسئلے کا خانقاہ عارفیہ سے کیا تعلق ہے؟

دوسرے سوال کا جواب

نقل کردہ اقتباس مولانا مجیب الرحمن علیمی مصباحی کے ایک تحقیقی مقالہ بعنوان: ''خانقاہ عالیہ نظامیہ صفویہ، صفی پور: تاریخ اور کارنامے'' سے ماخوذ

ہے۔ صفی پور شریف، ضلع اناؤ کا ایک قصبہ ہے، جہاں ایک بہت ہی قدیم اور بافیض خانقاہ ’’خانقاہ صفویہ‘‘ ہے۔ مولانا مجیب الرحمن علیمی صاحب کا مقالہ اسی خانقاہ کی تاریخ پر مشتمل ہے۔ خانقاہ کی تاریخ اور کارنامے پر کیا لکھا جاسکتا ہے یہ ہر کوئی اندزہ کرسکتا ہے۔ چنانچہ مولانا مجیب الرحمن صاحب نے اس خانقاہ کی تاریخ اور سلاسل کے ذکر کے بعد یہ عنوان باندھا: ’’**مشائخ خانقاہ صفویہ کا اعتقادی، فقہی اور صوفی مسلک**‘‘ اور مشائخ صفی پور کے اعتقادی کا ذکر ذیل کے الفاظ میں کیا:

> **اعتقادی مسلک:** صفی پور شریف کے مشائخ کی تصنیفات واقوال واعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ عقائد میں ما تریدی تھے ،اور آج بھی سجادگان صفی پور عقائد میں اسی امام کے مقلد ہیں جن کی تقلید تقریبا ہندوستان کی اکثر مسلم آبادی کرتی ہے۔
>
> سلسلہ صفویہ کے بانی مخدوم شاہ صفی قدس سرہ کے مرید اور آپ کے خلیفہ عظیم صوفی حضرت میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ نے اپنی مایہ ناز تصنیف ’’سبع سنابل‘‘ میں عقائد و معاملات اور مسلمات کو نہایت وضاحت کے ساتھ تحریر کردیا ہے ،جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ صفویہ کے صوفیہ کا عقیدہ رفض وخروج سے الگ راہ اعتدال کے مطابق وہی عقیدہ ہے جو زمانہ سے اہل سنت و جماعت کا چلا آرہا ہے اور آج بھی یہی عقیدہ ہے۔ جیسا کہ اس سلسلہ کے قریب زمانہ کے مشہور عالم وصوفی حضرت محمد عزیز اللہ شاہ قدس سرہ کی کتاب ’’عقائد العزیز‘‘ کے مطالعہ سے

معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی دیگر خانقاہوں کے مشائخ جس فقہی اور اعتقادی مسلک کے پابند تھے اور ہیں، صفی پور شریف کے مشائخ بھی ان ہی مسالک کے پابند تھے اور ہیں۔ (ص:۲۴۹)

اس کے بعد فقہی مسلک کے عنوان سے مشائخ صفی پور کا فقہی مسلک ذکر کیا جسے معترضین سیاق و سباق سے ہٹا کر غلط معنی پہنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پوری عبارت اس طرح ہے:

''صفی پور کے مشائخ فقہ میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد رہے ہیں مگر عام تقلید سے تھوڑا الگ رہے جیسا کی صوفیہ کا طریقہ رہا ہے کہ کچھ فروعی مسائل میں وہ خود اجتہاد یا باطنی اشارات سے کام لیتے ہیں، حضرت محبوب الٰہی قدس سرہٗ قرأت خلف امام کے قائل صرف اسلئے تھے کہ ان کے پاس حدیث تھی، یہاں انہوں نے قول امام پر عمل کرنے سے زیادہ بہتر قول رسول پر عمل کرنے کو خیال کیا اور یہ معمول اس سلسلہ میں آج بھی چلا آرہا ہے، صوفی حکیم ہوتا ہے، مقاصد شریعت پر اس کی نگاہ ہوتی ہے، ضرورت و حاجت کے تحت یا روحانی کشف کی بنیاد پر بعض مسائل میں منفرد ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود مقلد ہی کہے جائیں گے۔ بلکہ ان نفوس قدسیہ نے بھی اپنے آپ کو مقلد ہی شمار کیا، حنفی مسلک کی تقلید میں سلطان الاولیا حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہٗ اس قد

ریختہ تھے کہ اپنے چاہنے والوں کو اس وقت تک خلافت واجازت سے سرفراز نہ فرماتے جب تک کہ وہ فقہ حنفی کی مایہ ناز کتاب ھدایہ مکمل ختم نہ کرلیتا۔'' (الاحسان:۱،ص:۲۵۰)

اس عبارت سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔مشائخ صفی پور امام اعظم کے مقلد رہے مگر عام تقلید یعنی ''تقلید جامد'' سے الگ رہے۔(تقلید جامد کی تشریح پہلی قسط میں ہو چکی ہے۔)

۲۔صوفیائے کرام کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ مقلد جامد نہیں ہوتے بلکہ حالاتِ زمانہ اور ضرورت وحاجت کے وقت کچھ فروعی مسائل میں اپنے اجتہاد اور باطنی اشارات سے کام لیتے ہیں۔

۳۔ان بعض فروعی مسائل میں سے بطور مثال ''قراءت خلف امام'' کو پیش کیا جس کے قائل حضرت محبوب الٰہی تھے۔

۴۔حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ نے قول امام کے مقابلے میں امام محمد کے قول کو ترجیح دی ہے، جو بظاہر حدیث رسول سے زیادہ قریب ہے۔(جیسا کہ خود امام اعظم کا فرمان ہے کہ **اذا صح الحدیث فھو مذھبی**)اور جیسا شاہ ولی اللہ نے فرمایا ہے۔

۵۔ یہاں یہ بھی ذہن نشیں رہے کہ حضرت نظام الدین اولیا قدس سرہ اپنے چاہنے والوں کو اس وقت تک اجازت وخلافت نہیں دیتے تھے جب تک کہ وہ فقہ حنفی کی مایہ ناز کتاب ''ہدایہ'' ختم نہ کر لیتے۔

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ:

- متنازعہ اقتباس مولانا مجیب صاحب کے مقالے کا ہے۔ اس میں اس بات کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ خانقاہ عارفیہ کا اس سلسلے میں کیا موقف ہے؟ اس لیے اصولی اعتبار سے خانقاہ کا موقف معلوم کیے بنا خانقاہ کے خلاف واویلا کرنا ذلیل حرکت ہے۔
- یہ مسئلہ اسلام کا فروعی مسئلہ ہے اور قرآن وحدیث میں کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے، اسی لیے ائمہ فقہ کو اجتہاد کی ضرورت پڑی جس کی وجہ سے قرآن وحدیث کے فہم میں اختلاف پیدا ہوا۔
- یہ مسئلہ ائمہ فقہا کے مابین مختلف فیہ رہا ہے۔ آج کا نیا مسئلہ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر غیر مقلدین اس پر عمل کرتے ہیں تو یہ ان کا مسئلہ نہیں بن جائے گا۔ اگر صرف ان کے عمل کرنے کی وجہ سے ان کا مسئلہ ہو جائے تو ہمیں نماز، روزہ، حج زکاۃ کے ساتھ ساتھ اللہ ورسول اور دین کو بھی چھوڑنا پڑے گا۔ فتدبر۔
- مذکورہ عبارت میں ’’بعض مسائل‘‘ کی صراحت کے باوجود یہ مطلب نکالنا کہ ’’امام اعظم کے سارے مسائل حدیث کے خلاف ہیں‘‘ یا ’’مقلدین حدیث کے خلاف عمل کرتے ہیں‘‘ سراسر ظلم اور زیادتی ہے۔ واللہ تعالی لایحب الظالمین۔ ایسی صاف اور صریح عبارت کو کاٹ چھانٹ کر ایسا معنی ومطلب نکالنا خود ہی بہت بڑا بہتان اور الزام تراشی ہے۔ اللہ ہدایت کی توفیق عطا فرمائے۔

خانقاہ عارفیہ اور ابن تیمیہ کا مسئلہ

بعض کرم فرما اس مسئلے کو لے کر بہت سی الزام تراشیاں اور بہتان بازیاں کرتے ہیں۔ جس سے غیر جانب دار عوام وخواص کو اصل مسئلہ سمجھنے میں کافی دشواری ہوتی ہے۔ آیئے ذیل میں ہم اس پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

خانقاہ عارفیہ کے اشاعتی ادارہ ''**شاہ صفی اکیڈمی**'' سے شائع ہونے والا سالانہ مجلہ ''**الاحسان** :۲''میں مولانا ضیاء الرحمن علیمی صاحب کا ایک تحقیقی مقالہ چھپا، جس سے یہ عبارت نقل کرکے اسے متنازع بنانے کی کوشش کی جاتی ہے:

> ''اللہ تعالیٰ نے شیخ ابن تیمیہ کو بڑی خوبیوں سے نوازا تھا وہ حافظہ، علم وفضل ،تقوی وخشیت، زہد وورع،قناعت وصبر، جرأت وشجاعت،سنت کی پیروی ،بدعت سے اجتناب ، اعلائے کلمہ حق اور جہاد کے لیے ہمہ وقت کمر بستگی ،یہ وہ خصوصیات ہیں جن سے وہ اپنے معاصرین کے مابین ممتاز اور مشہور ہوئے۔''(الاحسان اردو:۲،ص:۲۰۷)

اس اقتباس کو نقل کرکے یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ خانقاہ عارفیہ ابن تیمیہ کی حمایتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

یہاں چند باتوں کی طرف توجہ ضروری ہے:

پہلی بات

یہ عبارت مولانا ضیاء الرحمن علیمی صاحب کے ایک مضمون ''**شیخ ابن تیمیہ کا نقد تصوف ایک مطالعہ**'' سے ماخوذ ہے۔اور اسے مولانا ضیاء الرحمن صاحب کی اپنی رائے یا موقف نہیں ہے بلکہ اکابر علماے اہل سنت کی رایوں کو صرف نقل کیا ہے۔ فاضل مضمون نگار مولانا ضیاء الرحمن علیمی صاحب نے حافظ ذہبی (م ۷۴۸ھ)، حافظ زملکانی (م ۷۲۷ھ)،ابن دقیق العید (م ۷۰۲ھ) حافظ فتح الدین ابن سید الناس اور حافظ ابوالحجاج مزی (م :۷۴۲ھ) کے حوالے سے ان جلیل القدر علما،فقہا ومحدثین کے اعترافات نقل کیے ہیں۔جس کی تفصیل **الاحسان** میں موجود ہے۔

دوسری بات

یہاں قابل توجہ یہ ہے کہ معترضین مذکورہ عبارت کو اس کے سیاق و سباق سے ہٹا کر نقل کرتے ہیں۔ یہ اقتباس ''**ابن تیمیہ کی خصوصیات اور معاصرین کی شہادت**'' کی ذیلی سرخی کے تحت علما کے اقوال سے ماخوذ مقالہ نگار کے تمہیدی الفاظ ہیں۔ پوری عبارت یوں ہے:

''اللہ تعالیٰ نے شیخ ابن تیمیہ کو بڑی خوبیوں سے نوازا تھا وہ حافظہ،علم وفضل،تقوی وخشیت، زہد وورع،قناعت وصبر، جرأت وشجاعت،سنت کی پیروی، بدعت سے اجتناب، اعلائے کلمہ حق اور جہاد کے لیے ہمہ وقت کمر بستگی، یہ وہ خصوصیات ہیں جن

سے وہ اپنے معاصرین کے مابین ممتاز اور مشہور ہوئے اور اسی بنا پر وہ علما جن کو شیخ ابن تیمیہ سے اختلاف تھا۔انہوں نے بھی پوری وسعت ظرفی اور اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ کی ان خصوصیات کا اعتراف کیا اور ان کے وفور علم وفضل کی شہادت دی۔‘‘(الاحسان:۲،ص:۱۰۷)

یہاں ذیلی سرخی ہی سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس کے بعد آنے والی باتیں مصنف کی ذاتی نہیں بلکہ ابن تیمیہ کے معاصرین کی شہادت کو نقل کیا گیا ہے جو مکمل اقتباس دیکھنے سے واضح ہوجاتا ہے۔پھر جب نقلِ کفر،کفر نہیں ہوتا تو نقلِ تعریف،تعریف کیسے ہوجائے گی؟

تیسری بات

الاحسان :۲ میں یہ مضمون وہابیہ کے رد میں لکھا گیا ہے جو تصوف کا بالکلیہ ردّ کرتے ہیں،حالاں کہ وہابیہ ابن تیمیہ کو اپنا پیشوا اور سرخیل عالم تسلیم کرتے ہیں،جنہوں نے تصوف کی دو قسمیں:اسلامی تصوف اور غیر اسلامی تصوف کی تقسیم کرتے ہوئے تصوف اسلامی کی تعریف وتوصیف بھی کی ہے۔یہ مضمون لکھ کر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ موجودہ وہابیہ کا عمل نہ صرف حقیقت کے خلاف بلکہ اپنے پیشوا کے بھی خلاف ہے،کیوں کہ ان کے پیشوا نے کسی نہ کسی جہت سے تصوف کی تعریف کی ہے،اگرچہ جسے ابن تیمیہ نے اپنے زعم میں غیر اسلامی تصوف کہا ہے وہ بھی اسلامی ہی ہے۔

چوتھی بات

جب بعض کرم فرما اس مسئلے کو لے کر غلط فہمیاں پھیلانے لگے تو مورخہ ۵ محرم الحرام ۱۴۳۶ / ۱۹ اکتوبر ۲۰۱۵ کو خانقاہ کے ترجمان مولانا مجیب الرحمٰن علیمی نے ایک وضاحتی بیان جاری کیا جو یہ ہے:

ابن تیمیہ گمراہ وگمراہ گر

”ابن تیمیہ کے تعلق سے جو باتیں خانقاہ عارفیہ اور اس کے علما و مشائخ کی طرف منسوب کی گئی ہیں وہ سب الزامات پر مبنی ہیں کیونکہ خانقاہ کا موقف ابن تیمیہ کے تعلق سے گمراہ وگمراہ گر ہونے کا ہے۔ اور وہ ساری باتیں جن کا انتساب خانقاہ کی طرف کیا گیا ہے، وہ متقدمین علما کی باتیں ہیں جن کو مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی نے اپنے مقالہ میں نقل کیا اور پھر اس کا علمی جائزہ پیش کیا لیکن بعض حاسدین الزامات پر مشتمل پوسٹر شائع کر کے مکر و فریب کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور خانقاہ عارفیہ سید سراواں شریف کو عوام الناس کی نظر میں بد نام کرنے کی ناکام کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ حاسدین کو حسد سے پاک فرمائے اور ہم سب کو حق جاننے اور حق تسلیم کرنے کی توفیق عطا کرے آمین۔“

ذی شعور حضرات خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ:

اولا: مولانا ضیاء الرحمن علیمی صاحب کی بات کو سیاق وسباق سے ہٹا کر غلط معنی پہنایا گیا۔

ثانیا: جو بات خود مولانا ضیا کی نہیں، اسے خانقاہ عارفیہ کی طرف منسوب کیا گیا۔

ثالثاً: خانقاہ کا موقف آجانے کے باوجود اور اس کی وضاحت کرنے کے بعد بھی اسے خانقاہ کا موقف کہہ کر عوام کو بھڑکانے کی کوشش کی جارہی ہے، الزام تراشیوں اور بہتان بازیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ اب یہ ہٹ دھرمی کا کون سا مقام ہے؟ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ ہم بس اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ حق بولنے، حق سننے اور حق کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

پانچویں بات

ابن تیمیہ کی تعریف کرنے والے علمائے اہل سنت کا حکم؟

یہاں علمی طور پر یہ بات بھی جاننے کی ہے کہ ابن تیمیہ کی ستائش کرنے والوں کا کیا حکم ہے؟ کیوں کہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اہل سنت ہی کے اکابر علما میں سے بعض نے ابن تیمیہ کی تعریف وتوصیف کی ہے اور ان کی خوبیاں شمار کرائی ہیں۔ تو اس سلسلے میں عدل کا تقاضہ یہی ہے کہ اگر کسی میں خامی ہے تو اس کی خامیاں ضرور اجاگر کیا جائے لیکن ساتھ میں اس کے اندر اگر خوبیاں ہیں تو اسے بھی تسلیم کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی

جاننا چاہیے کہ اہل سنت ہی سے بہت سے اکابر علما نے ابن تیمیہ کی تائید کی ہے اور تعریف و توصیف بھی کی ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری حنفی مرقات شرح مشکوۃ میں صفات باری کے مسئلے میں ابن تیمیہ اور ابن قیم کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جو شخص بھی منازل السائرین کی شرح [مؤلفہ ابن قیم] کا مطالعہ کرے گا، اس پر واضح ہو جائے گا کہ ”انهما من أهل السنة والجماعة بل ومن اولياء هذه الامة“ یعنی ابن تیمیہ اور ابن قیم اہل سنت و جماعت سے ہیں اور یہ دونوں اس امت کے اولیا میں سے ہیں۔ (مرقات، کتاب اللباس، ج ٧، ص: ٢٧٧٨)“

قاضی شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ ابن تیمیہ اور ابن قیم کے رد میں لکھی گئی کتاب ”شواہد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق“ میں لکھتے ہیں:

”تو جان لے کہ ابن تیمیہ اس شور برپا کرنے والے کالے سمندر کی طرح ہیں جس کی موجیں تھپیڑے مارتی ہیں پس وہ سمندر کبھی ساحل پر لولو اور مرجان ڈال دیتا ہے اور کبھی پتھر اور سیپ، کچھ گندگی اور مردہ کی بدبودار لاش، ابن تیمیہ کی پہلی اور بہتر صفت (سمندر سے ساحل پر لولو اور مرجان

لے آنا) ان پر غالب ہے۔ پس ابن تیمیہ کی دو صفت ہیں، ایک پسندیدہ صفت ہے، وہ علم نافع میں ابن تیمیہ کے امام ہونے کی صفت ہے جو ان پر غالب ہے۔ اسی صفت کے سبب وہ مدح کے مستحق ہیں۔ میں نے اپنے کلام میں جہاں ابن تیمیہ کی تعریف کی ہے جیسا کہ ابن تیمیہ کی اس صفت کے سبب مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کے اکابر علما میں سے بہت سے لوگوں نے ان کی تعریف کی ہے، ابن تیمیہ کی دوسری صفت مذمومہ ہے وہ ان کے بعض بدعتوں میں ان کے امام ہونے کی صفت ہے اور ابن تیمیہ اس صفت کے سبب مذمت کیے جانے کے مستحق ہیں۔'' (ص: ۱۴۴)

اس قدر حقائق جان لینے اور ناچیز کی زیر نظر تحریر آ جانے کے بعد بھی اگر وہی الزامات پھر سے دہرائے جائیں تو اس وقت آپ کو کیا کرنا ہے؟ ہم اس کا فیصلہ قارئین کے عدل اور ان کی قوت فیصلہ پر چھوڑتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

خانقاہ عارفیہ اور تین طلاق کا مسئلہ

اس مسئلے کا خلاصہ یہ ہے کہ جامعہ عارفیہ میں رہنے والے مشہور قلم کار اور عظیم دانشور مولانا ذیشان احمد مصباحی نے ان دنوں اپنے چند نکات قوم کے علما کے سامنے رکھا جن دنوں حکومت طلاق ثلاقہ اور چند خواتین کی پریشانیوں کے بہانے یکساں سِول کوڈ کے نفاذ کی کوشش کر رہی تھی۔

مولانا ذیشان احمد مصباحی صاحب نے اس مسئلے کی علمی جہتوں کو بیان کر کے علما سے اس بارے میں غور وفکر کی گذارش کی تھی کہ اس مسئلے پر غور کر کے ہم خود کوئی نتیجہ نکال لیں تا کہ حکومت کو مزید شریعت میں دخل اندازی کا موقع نہ مل سکے۔لیکن افسوس مولانا صاحب کے ان سوالات اور نکات پر غور کرنے کی بجائے اسے زبردستی متنازعہ بنا کر حکومت کے لیے راستہ ہموار کیا گیا۔

مخلصانہ اور ملّی مفاد میں پیش کیے جانے والے نکات کو زبردستی غیر مقلدیت سے جوڑ کر مسلکی رنگ دے دیا گیا۔اور اس طرح حکومت کو اپنا کام کرتے رہنے کی مکمل چھوٹ دی گئی۔اسی لیے بعض دانشوران یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ یہ گروہ ہر معاملے میں مسلکی منافرت کو بڑھاوا دینے اور آپس میں انتشار برپا کر کے اسلام دشمن طاقتوں کو تقویت پہنچا رہا ہے۔کہیں ایسا تو نہیں کہ مسلمانوں کے بھیس میں یہ گروہ حکومت کا فضلہ خور ہے؟ اس رائے کی حقیقت کیا ہے؟ ہمیں اس سے سروکار نہیں، لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ مولانا ذیشان صاحب کے جن نکات کو مسلکی منافرت کی آڑ میں دبا گیا آخر میں وہی ہوا جس

کی پیشین گوئی مولانا ذیشان احمد مصباحی نے کی تھی۔ کورٹ نے اس مسئلے کو حکومت کے سپرد کر دیا اور حکومت کی جانب سے ایک سخت بل نافذ کر دیا گیا۔ مسلمانوں نے اپنے مسئلے کو حل نہیں کیا تو اسمبلی کے فساق و فجار اور کفار و مشرکین نے مل کر مسلمانوں کے اس مسئلے کے لیے ایک ظالم بل پاس کیا۔ اس بل کے ساتھ کیا ہوا اور کس طرح مسلم فرقوں اور جماعتوں میں خاموشی طاری رہی یہ ہماری نظروں کے سامنے ہے۔

بہر حال بات صرف اتنی تھی کہ مولانا ذیشان صاحب نے چند نکات پیش کیا۔ نادان دوستوں نے اس پر مسلکی منافرت کا لیبل لگا کر متنازعہ بنایا اور یہ افواہ پھیلائی کہ یہ خانقاہ عارفیہ کا موقف ہے اور یہ غیر مقلدین کی حمایت ہے وغیرہ وغیرہ۔

انہیں دنوں جامعہ عارفیہ کے بانی شیخ ابو سعید صفوی دام ظلہ کی جانب سے ایک اسٹیٹمنٹ شائع ہوا جس میں تین طلاق اور حکومت کی مذمت کی گئی تھی۔ اس کے باوجود کرم فرماؤں کی کارستانی دیکھیے کہ مولانا ذیشان صاحب کے سوالات و نکات جو ان کا موقف بھی نہیں تھا، اسے خانقاہ سے منسوب کیا جانے لگا حالاں کہ خانقاہ عارفیہ کا اسٹیٹمینٹ بھی اخبار میں شائع ہو چکا تھا۔

یہ افواہیں اہل سنت کے معتمد عالم و مفتی حضرت مفتی مطیع الرحمن رضوی تک بھی پہنچا کر ان پر دباؤ ڈالا گیا۔ مفتی صاحب نے اس تعلق سے ایک خط لکھا جس کا جواب مولانا ذیشان صاحب نے دیا اور مفتی صاحب مطمئن ہو گئے۔

ہم ذیل میں مولانا ذیشان صاحب کے سوالات/نکات، خانقاہ کا اخبار میں شائع شدہ اسٹیٹمینٹ اور مفتی مطیع الرحمن صاحب کے نام مولانا ذیشان کے خط کا وہ حصہ پیش کررہے ہیں جو اس بحث سے متعلق ہے۔

فیسبک پر شائع مولانا ذیشان صاحب کے سوالات

۱۔اس وقت طلاق ثلاثہ کی بحث زوروں پر ہے۔آثار بتارہے ہیں کہ یہ بحث تھمنے والی نھیں ہے۔اس لیے آپ حضرات جو فیصلہ لیں بہت سوچ سمجھ کرلیں،شریعت کے مقاصد،نصوص کی تعبیر، اجماع کی حقیقت اور ضرورت وحاجت کے مطابق حالات کا جائزہ لےکرلیں تاکہ پھر بعد میں پچھتانا نہ پڑے۔

۲۔وہ روایت جس سے حضرت عمر کے فیصلے کا علم ہوتا ہے وہ خبر واحد ہے۔وہ نہ تو پورے طور پر مقلدین کے لیے مفید ہے اور نہ غیر مقلدین کے لیے۔تو کیا ایسے میں اسے بنیاد بنایا جاسکتا ہے؟

۳۔اس مسئلے پر ائمہ اربعہ کے علاوہ، امت کے مختلف طبقات مختلف نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ایسے میں اس رائے کو اجماع اہل سنت کہنا صحیح ہے یا اجماع امت؟ جب کہ اہل ظواہر، اہل تشیع وغیرہ مختلف نقطہ نظر کے حامل ہیں۔

۴۔حضرت عمر کی بات پر اگر اجماع مان لیا جائے اور علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین کے تحت اگر اسے واجب العمل مان

لیا جائے تو سوال ہوگا کہ یہاں سنۃ الخلیفۃ الراشد سنۃ الرسول کے بالمقابل ہے۔ ایسے میں اول کو دائمی واجب العمل اور ثانی کو دائمی منسوخ سمجھنا کہاں تک درست ہے؟

۵۔ اجماع ہمیشہ اپنے ماخذ کتاب سنت یا قیاس پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ اجماع قیاس واجتہاد پر مبنی ہے ایسے میں مذکورہ اجتہاد جن مقاصد اور حالات پر مبنی ہے، کیا ان پر نظر ثانی نہیں کی جا سکتی؟

۶۔ ایسے حوالے موجود ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذاہب اربعہ کے بعض علما بھی اس طرف گئے ہیں۔ ظاہر ہے ان کی رائے مذاہب اربعہ میں ضعیف ہے۔ لیکن کیا حالات کے جبر کے تحت قول ضعیف پر فتوی نہیں دیا جا سکتا؟

۷۔ دیگر مذاہب پر، اقوال ضعیفہ پر جن علما نے فتوے دیے ہیں کیا وہ تحریف کتاب کے مرتکب ہیں؟

۸۔ الطلاق مرتان کا براہ راست اور صریح معنی دو طلاق نہیں دو مرتبہ طلاق ہے۔ اگر چہ دو طلاق کے معنی بھی لیے جا سکتے ہیں۔ اب اگر معنی غیر ظاہر پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہو گیا تو معنی ظاہر قطعی طور پر تحریف فی القرآن کے مترادف ہے؟

۹۔ سو فی صد مسلم (مقلد/غیر مقلد) آبادی والے درجنوں بڑے ممالک بشمول مصر، سعودیہ، پاکستان بنگلہ دیش وغیرہ پہلے

ہی اس مسئلے میں فقہ ظاہری اختیار کر چکے ہیں تو کیا ہندوستان جیسے سیکولر ملک میں علماے احناف اپنے فتوے کو حکومت سے منوا پائیں گے یا دیر یا سویر ہزار مخالفتوں کے باوجود حکومت، عدالت اور میڈیا سب مل کر مسلم ممالک، فقہ ظاہری اور حقوق نسواں کے نعرے کے سہارے ایک مجلس کی طلاق ثلاثہ کو ایک کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

۱۰۔ حکومت کا یہ اقدام اگر واقعی شریعت میں مداخلت ہے تو یہ حکومت تو غیر مسلم ہے، مسلم حکومتیں اور ان کے علما جو یہ فریضہ پہلے سے انجام دے چکے ہیں ان پر کیا حکم عائد ہوگا؟ کیا وہ سب محرفین قرآن، کافر اور مرتد ٹھہریں گے؟

یہ سوالات حالات کی سنگینی کے پیش نظر کیے گئے ہیں تاکہ ہمارے علما ٹھنڈے دل سے غور کر کے ایکشن لیں اور۔۔ ع:

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

کا منظر سامنے نہ آئے۔ سب کچھ لٹا کے ہوش میں آئے تو کیا کیے؟ کمینٹس کرنے سے پہلے احباب جذبات کو قابو میں کرتے ہوئے سنجیدگی کا ضرور خیال رکھیں۔ تائید ہی نہیں اختلاف بھی سلیقے سے کیا جا سکتا ہے۔

یہ قوم مسلم کے ایک مخلص دانشور کے سوالات و نکات تھے جواَب بھی

غور وفکر کا تقاضہ کرتے ہیں۔

مفتی مطیع الرحمن صاحب کے نام مولانا ذیشان صاحب کا جواب

’’آپ کے مکتوب میں ایک بات میرے لیے قدرے تکلیف دہ رہی کہ حالات اور سیاسیات کے تناظر میں طلاق ثلاثہ کے مسئلے پر اجتماعی غور وخوض کے لیے جو نکات/سوالات سال بھر پہلے ہم نے اٹھائے تھے، تاکہ قبل اس کے کہ حکومت اس میں کوئی جبری حکم نافذ کرے، ہم خود اصول شریعت کی روشنی میں کوئی ایسی ممکنہ متفقہ تجویز پیش کردیں کہ مخالفین اسلام کو اعتراض اور جبر کا موقع نہ رہے۔ آپ نے ان سوالات/نکات کا ذکر کرتے ہوئے مکتوب میں یہاں تک لکھ دیا تھا کہ ’’کیا یہ خاموشی کے ساتھ غیر مقلدیت کی راہ پر قدم رکھنا نہیں ہے؟‘‘ آپ کے مکتوب میں یہ بھی لکھا تھا کہ اس وقت میں نے مولانا ذیشان صاحب سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن رابطہ نہیں ہوسکا تھا۔ میں نے جب آپ کو یاد دلایا کہ آپ نے لوگوں کے اعتراضات سننے کے بعد براہ راست مجھ سے گفتگو کی تھی اور میرے سوالات میرے واٹس ایپ نمبر سے مانگے تھے۔ میں نے انھیں آپ کو وہ سوالات بھیجے، آپ نے ملاحظہ فرمایا، پھر اس کے بعد ہماری گفتگو

ہوئی۔آپ نے اس بات کی توثیق فرمائی تھی کہ سوالات درست ہیں ،ان میں کوئی قابل گرفت بات نہیں ہے لیکن ایسے حساس سوالات فیس بک پر نہیں ڈالنے تھے اور میں نے آپ کی تکریم میں اس رائے سے اتفاق کرلیا تھا۔جب میں نے یہ تفصیلات یاد دلائیں تو پھر کسی قدر آپ کو یاد آیا اور آپ نے اپنی عمر اور ضعف حافظہ کا حوالہ دیا۔

طلاق ثلاثہ پر غور وخوض کے میرے پیش کردہ نکات تو محض میرے نکات/سوالات تھے،وہ تو میرا موقف نہیں تھے،خانقاہ عارفیہ کا موقف کیوں کر بن گئے؟اب اس بات کو اہل افتا سے بہتر کون سمجھے گا جو ہر سال قدیم وجدید مسائل پر مختلف نکات/سوالات کی روشنی میں اجتماعی غور وخوض کرنے کے لیے فقہی سیمینار کرتے ہیں۔اب کوئی مجنون ہی ہوگا جو ان سوالات کو موقف کہے گا۔

بہر کیف! خانقاہ عارفیہ کے زیب سجادہ نے اُنھیں ایام میں طلاق ثلاثہ کے مسئلے پر جمہور کی رائے کی حمایت اور حکومت کی تردید میں اپنا زوردار بیان اخبارات میں شائع کروایا تھا۔آپ نے کہا کہ یہ بیان ہمیں نہیں ملا۔ان دنوں مولانا مجیب صاحب نے جو آپ کو وہاٹس اور ٹیلی گرام کیا تھا،اتفاق سے دن اور تاریخ کے

ساتھ ان کا ایک اسکرین شاٹ ان کے پاس موجود تھا، آپ نے دوبارہ بھیجنے کے لیے کہا، ہم نے انھیں دوبارہ بھیجوا دیا۔ آپ نے اس پر بھی مکمل انشراح کا اظہار فرمایا۔ وللہ الحمد!

خانقاہ کی طرف سے شائع اخباری رپورٹ اور اس کا تراشہ

اب وقت آ گیا ہے کہ ملک کے تمام امن پسند شہری شر پسند حکومت کو تین طلاق دیں!

معروف صوفی اور داعی امن شیخ ابو سعید الہ آبادی نے یکساں سول کوڈ اور طلاق ثلاثہ کے مسئلے پر حکومت کی مذمت کی

پریس ریلیز! سید سراواں، الہ آباد ۷ نومبر ۲۰۱۶ء: ملک کا پرامن ماحول دن بدن خراب ہوتا جا رہا ہے، ہندوستان کی قدیم گنگا جمنی تہذیب خطرے میں ہے، صوفیوں اور سنتوں کے پریم رس میں فسطائیت نواز عناصر تیزی سے زہر گھول رہے ہیں۔ یکساں سول کوڈ کے نعرے کے سہارے مٹھی بھر بے دین عناصر اور ان کے ساتھ کچھ سیاسی شر پسند ملک کی خوش گوار فضا کو مکدر کرنے، یہاں کی کثیر تہذیبی روایت، کثیر مذہبی و ثقافتی ماحول اور سیکولر قانون کو ختم کرنے اور بے دینی اور فساد پھیلانے کے در پے ہیں۔ یہ کھیل مسلمانوں ہی کے خلاف نہیں پورے ملک کے خلاف ہے۔ مسلمان اور پر امن ہندوستانی اس بے دینی اور فسطائیت کے کھیل کو کبھی کامیاب ہونے نہیں دیں گے۔ ان خیالات کا

اظہار خانقاہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد کے سجادہ نشیں، معروف صوفی اور امن و محبت کے داعی شیخ ابوسعید احسان اللہ محمدی صفوی نے کیا۔

طلاق ثلاثہ کے مسئلے پر حالیہ دنوں اٹھ رہے ہنگامے پر گفتگو کرتے ہوئے شیخ ابوسعید صاحب نے کہا کہ ہم صوفیوں کا مذہب پریم ہے۔ہم کسی کو طلاق دینا نہیں چاہتے، البتہ حکومت جس رویہ پر چل رہی ہے اس کے پیش نظر ہمیں اسے تین طلاق دینا ہی ہوگی۔اس کے بغیر ملک کی سالمیت برقرار نہیں رہ سکتی۔شیخ نے کہا کہ خدا کی کتاب کی روشنی میں جو قانون بن چکا ہے، اسے کوئی انسان بدلنے کی طاقت نہیں رکھتا۔نکاح سے دو اجنبی ایک بن سکتے ہیں تو طلاق سے اگر دو جدا ہو جائیں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ ہمیں متحدہ طور پر شریعت اسلامی کی حفاظت کرنی ہے اور اس معاملے میں ہم کسی کی کچھ بھی سننے کو تیار نہیں ہیں۔

شیخ نے مزید کہا کہ یکساں سول کوڈ کا کھیل ایک ڈرامہ ہے۔اس کا مقصد مسلمانوں اور ہندوستان کے پر امن شہریوں کو ہراساں کرنے اور ملک کی فضا کو زہر آلود کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یہ ہنگامہ ملک کے سیکولر آئین کو چیلنج کرتا ہے، اس لیے بہ حیثیت ہندوستانی بھی ہم اسے قبول نہیں کر سکتے، چہ جائے کہ بہ حیثیت مسلمان اسے قبول کرلیں۔ بہ حیثیت مسلمان قرآن ہماری رہ نمائی کے لیے کافی ہے، جس پر عمل کی اجازت ہمارا سیکولر آئین ہمیں بھی دیتا ہے، جس طرح دیگر مذاہب اور ثقافتوں کو ان کے مذہب پر عمل کی اجازت دیتا

ہے۔ہم ہندوستانیوں کو اس حق سے کوئی دست بردار نہیں کر سکتا۔ حقوق کی اس برحق جنگ میں ہمارے ساتھ صرف بیس کروڑ مسلمان ہی نہیں، سوا ارب ہندوستانی بھی ہیں۔


WEDNESDAY, NOVEMBER 09, 2016 | 3 | الہ آباد/قرب وجوار | انقلاب

تمام امن پسند شہری شر پسند حکومت کو تین طلاق دیں!

معروف صوفی اور خانقاہ عارفیہ کے سجادہ نشیں شیخ ابوسعید الہ آبادی نے مرکزی حکومت کی مذمت کی

سید سراواں، الہ آباد (پریس ریلیز): ملک کا پرامن ماحول دن بہ دن خراب ہوتا جا رہا ہے، ملک کی قدیم گنگا جمنی تہذیب خطرے میں ہے، صوفیوں اور سنتوں کے پریم رس میں فسطایت نواز عناصر تیزی سے زہر گھول رہے ہیں۔ یکساں سول کوڈ کے نعرے کے سہارے مٹھی بھر بے دین عناصر اور ان کے ساتھ کچھ سیاسی شر پسند ملک کی خوشگوار فضا کو مکدر کرنے، یہاں کی کثیر تہذیبی روایت، کثیر مذہبی و ثقافتی ماحول اور سیکولر قانون کو ختم کرنے اور بے دینی اور فساد پھیلانے کے درپے ہیں۔ یہ کھیل مسلمانوں ہی کے خلاف نہیں پورے ملک کے خلاف ہے مگر پرامن ہندوستانی اس بے دینی اور فسطایت کے کھیل کو کبھی کامیاب ہونے نہیں دیں گے۔ ان خیالات کا اظہار خانقاہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد کے سجادہ نشیں شیخ ابوسعید احسان اللہ محمدی صفوی نے کیا۔

طلاق ثلاثہ کے مسئلے پر حالیہ دنوں میں اٹھ رہے ہنگامے پر گفتگو کرتے ہوئے شیخ ابوسعید نے کہا کہ ہم صوفیوں کا مذہب پریم ہے۔ ہم کسی کو طلاق دینا نہیں چاہتے، البتہ حکومت جس رویہ پر چل رہی ہے اس کے پیش نظر ہمیں اسے تین طلاق دینا ہی ہوگی۔ اس کے بغیر ملک کی سالمیت برقرار نہیں رہ سکتی۔ شیخ نے کہا کہ خدا کی کتاب کی روشنی میں جو قانون بن چکا ہے، اسے کوئی انسان بدلنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ نکاح سے دو اجنبی ایک بن سکتے ہیں تو طلاق سے اگر دو جدا ہو جائیں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ ہمیں متحدہ طور پر شریعت اسلامی کی حفاظت کرنی ہے اور اس معاملے میں ہم کسی کی کچھ بھی سننے کو تیار نہیں ہیں۔

شیخ نے مزید کہا کہ یکساں سول کوڈ کا کھیل ایک ڈرامہ ہے۔ یہ ہنگامہ ملک کے سیکولر آئین کو چیلنج کرتا ہے، اس لئے بہ حیثیت ہندوستانی بھی ہم اسے قبول نہیں کر سکتے، چہ جائے کہ بہ حیثیت مسلمان اسے قبول کر لیں۔ انہوں نے کہا کہ قرآن ہماری رہنمائی کیلئے کافی ہے، جس پر عمل کی اجازت ہمارا سیکولر آئین بھی ہمیں دیتا ہے۔ ہم ہندوستانیوں کو اس حق سے کوئی دستبردار نہیں کر سکتا۔

اس قدر حقائق اور اصل مسئلہ سامنے آجانے کے بعد بھی اگر کوئی افواہوں کا سلسلہ جاری رکھے تو اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے اس کا فیصلہ قائین کو خود کرنا ہے۔



خانقاہ عارفیہ اور علم غیب کا مسئلہ

کہتے ہیں: بدلتی ہے جب ظالم کی نیت، نہیں کام آتی ہے دلیل اور حجت۔
خانقاہ عارفیہ کے مخالفین کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔ اب تک کے پیش کردہ مسائل سے اتنا تو واضح ہو چکا ہے کہ یہ کرم فرما کس طرح زبردستی علمی وفکری باتوں کو زبردستی متنازع بنا کر خانقاہ عالیہ عارفیہ کو بدنام کرنے کی حتی المقدور کوشش کرتے ہیں۔ جس کے لیے وہ الزام تراشی، بہتان بازی، عبارت کو قطع وبرید، سیاق وسباق سے ہٹا کر غلط معنی پہنانے سے بھی گریز نہیں کرتے اور ان سب کے کے باوجود ان کا جذبۂ خدمت دین مجروح بھی نہیں ہوتا۔ اللہ مسلمانوں کو عقل سلیم عطا فرمائے۔ زیر نظر علم غیب کے مسئلے میں بھی مخالفین کا یہی رویہ کارفرما ہے کہ اس مسئلے کا خانقاہ سے نہ صرف یہ کہ کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ الزام اور بہتان ہے۔

مولانا ذیشان احمد مصباحی جو کسی زمانے میں ماہنامہ جام نور دہلی کے ایڈیٹر تھے اور اب وہ خانقاہِ عارفیہ سے منسلک ہیں۔ جام نور کے ادارت کے دور میں ’’عقیدۂ علم غیب کا اسلامی مفہوم‘‘ کے عنوان سے مولانا ذیشان احمد مصباحی صاحب کی ایک جامع تحریر جام نور شمارہ اگست، ستمبر ۲۰۱۲ میں دو قسطوں میں شائع ہوئی۔ اس کے آخری قسط کے اقتباس کو زبردستی متنازع بنایا جا رہا ہے۔ وہ اقتباس یہ ہے:

”انیسویں صدی اور بیسویں صدی کا طویل عرصہ علم غیب پر ان لایعنی بحثوں میں گزر چکا ہے جو حد افراط میں پہنچ کر علم رسالت کا ڈانڈا علم الٰہی سے ملا دیتی ہے تو حد تفریط میں عظمت افضل الخلق صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میں تقصیر اور انکار کا باعث بنتی ہے۔ اکیسویں صدی ہمارے لئے محاسبے اور باز دید کی صدی ہے اس صدی میں ہمیں اعتدال وتوازن اور اخلاص وللٰہیت کے ساتھ امت کی اصلاح فکر واعتقاد کے ساتھ ان کے بیچ اتحاد واتفاق کی راہیں تلاش کرنی چاہیے، ایسی دعوت جس میں عظمت توحید بھی سلامت رہے اور عظمت رسالت پر بھی حرف نہیں آئے، خصوصا علم غیب کے تعلق سے ہمیں یہ باور کرنے اور دوسروں کو باور کرانے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اولین وآخرین میں سب سے زیادہ علم عطا فرمایا ہے ایسے میں ان کے علم کا ایسا انکار کہ شان رسالت پر حرف آئے یا ایسا اثبات کہ علم الٰہی سے مساوات کا شائبہ پیدا ہو دونوں ہی غیر اسلامی طرز فکر ہے“

اس اقتباس کو نقل کر کے پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ خانقاہ عارفیہ نے علم غیب پر حملہ کیا ہے۔ کیسے؟ کیوں کہ مولانا ذیشان احمد مصباحی صاحب کی جام نور کے دورِ ادارت میں لکھی گئی اس تحریر میں عقیدۂ علم غیب پر حملہ کیا گیا ہے اور مولانا ذیشان صاحب خانقاہ عارفیہ میں رہتے ہیں لٰہذا خانقاہِ عارفیہ نے عقیدہ علم غیب پر حملہ کیا ہے۔

قارئین خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ خانقاہ کو بدنام کرنے کے لیے کتنے دور کی کوڑی لائی گئی ہے وہ بھی محض الزام و بہتان تراشی پر مشتمل۔

اولا: تو یہ تحریر مولانا ذیشان صاحب کی ہے خانقاہ کی نہیں۔

ثانیا: مولانا کی اس تحریر سے عقیدۂ علم غیب پر کسی طرح کا کوئی حملہ نہیں بلکہ ایک صدی سے جاری قلمی جنگ کو ختم کرنے کی ایک کوشش ہے جو مکمل مضمون پڑھنے سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔

ثالثا: منقولہ اقتباس کو اس کے سیاق سے ہٹا کر نقل کیا گیا ہے۔ ورنہ جو اعتراضات اس اقتباس سے پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہیں ان سب کی تشریح وتوضیح خود مضمون میں تفصیلی طور پر موجود ہے۔

رابعا: بالفرض اگر مضمون پڑھے بغیر یہ تسلیم کر بھی لیں کہ اس میں عقیدۂ علم غیب میں کسی قسم کا حملہ ہے تو اسے خانقاہ کی طرف منسوب کرنا کہاں کا انصاف ہے؟

ویسے تو مولانا ذیشان صاحب قبلہ کی تحریر کی دونوں قسطیں مطالعہ کرنے کے بعد خود قاری پر یہ واضح ہو جائے گا یہ کہ مذکورہ اقتباس ہر طرح کے سقم سے پاک ہے، بلکہ یہ تحریر خود عقیدۂ علم غیب کو واضح کر کے دلوں میں راسخ کرنے والی ہے۔ علمی ذوق رکھنے والوں کے لیے مکمل تحریر کا مطالعہ مفید رہے گا۔ تاہم اس تحریر کے آخر میں ''حرف آخر'' کے عنوان سے لکھا گیا خلاصہ دیکھ کر بھی وہ تمام شکوک وشبہات رفع ہو جاتے ہیں جو مخالفین متذکرہ اقتباس سے پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے بلا کم وکاست ہم اسی خلاصے کو نقل کر رہے ہیں جس سے حقیقت کھل سامنے آجائے گی۔

حرف آخر

’’علم غیب کے سلسلے میں جو نزاعات و اختلافات ہیں ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بیشتر اختلافات لفظی ہیں۔ بسا اوقات یہ دیکھا گیا کہ علم غیب کے اثبات و انکار میں دو اشخاص نے گھنٹوں گزار دیے یا صفحات کے صفحات سیاہ کر ڈالے جب کہ انہوں نے علم غیب کا معنی کیا ہے، اسے اب تک متعین نہیں کیا۔ ایک شخص کہتا ہے کہ جو پیغمبر علیہ السلام کے لیے علم غیب کا مطلقاً انکار کرے وہ کافر ہے اور اس کے ذہن میں علم غیب کے مفہوم میں وحی و قرآن بھی شامل ہیں اور دوسرا شخص یہ کہتا ہے کہ جو اللہ کے سوا کسی کے لیے بھی علم غیب ثابت مانے وہ مشرک ہے اور اس کے ذہن میں علم غیب سے مراد وہ علم ہے جو بالذات ہو۔ علم غیب کا معنی متعین کیے بغیر اس طرح کی لایعنی بحثوں کے ماہرین کی اس دور میں لمبی قطار ہے جو عربی کے اس مقولے کے مصداق ہوتے ہیں: انا فی واد و انت فی واد۔

علم غیب سے مراد اگر علم ذاتی ہو جیسا کہ اس نظریے کے قائلین کی ایک بڑی تعداد ہے، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ علم خاصۂ خدا ہے اور کسی نبی یا ولی کو حاصل نہیں اور اگر امور غیبیہ کے عطائی علم پر بھی علم غیب کا اطلاق کیا جانا درست ہے تو اس میں بھی کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ انبیا و اولیا کو بذریعۂ وحی و الہام امور غیبیہ پر اطلاع ہوتی ہے۔ اس پر قرآن و حدیث اور آثار و روایات کثرت سے موجود ہیں۔ اب یہاں ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ امور غیبیہ کا یہ علم کل ہے یا

بعض، تو اس سلسلے میں سب کا اتفاق ہے کہ اللہ کے علم کے برابر کسی کا علم نہیں، تمام انبیا و اولیا کے علم کی حیثیت، علم الٰہی کے بالمقابل ایسی بھی نہیں جیسی سمندر کے بالمقابل ایک قطرے کی ہے۔ ہاں! پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے بارے میں بسا اوقات بعض علما یہ لکھتے ہیں کہ ان پر تمام امور غیبیہ روشن ہیں، لیکن اگر ان سے آپ پوچھیے تو وہ بھی یہی کہیں گے کہ کتب احادیث میں ایسی روایات ہیں جن میں مذکور ہے کہ روز اول سے قیامت کے دن تک اور مشرق تا مغرب تمام امور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ نے روشن کر دیے ہیں۔ اس لیے اس دنیا کی تمام چیزوں کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ لہٰذا اس دنیا کے امور کے اعتبار سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم، کل علم ہے، جب کہ علم الٰہی کی طرف نسبت کرتے ہوئے یا حقیقت واقعہ کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ اس دنیا کے بعد بھی ایک غیر متناہی دنیا موجود ہے، علم رسالت کل نہیں بعض ہی ہے۔ اس طرح حقیقت کے اعتبار سے بلا استثنا پوری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بعض علم ہے کل علم نہیں ہے، حتی کہ جو کل علم کا قول کرتے ہیں، حقیقت کے اعتبار سے ان کی مراد بھی بعض علم ہی ہوتی ہے۔ نہ وہ علم رسالت کو علم الٰہی کے برابر قرار دیتے ہیں اور نہ ہی ازل سے ابد تک کے تمام امور کو علم رسالت میں شامل مانتے ہیں۔

البتہ بعض علم پر اتفاق کے بعد علماے اسلام کے درمیان مختلف آثار و روایات کی بنیاد پر اس مسئلے میں اختلاف ہو گیا کہ یہ بعض علم

کتنا ہے اور اس میں کون کون سے امور شامل ہیں۔صوفیہ، حکما اور ارباب علم باطن بالعموم اس بات کے قائل ہیں کہ علم رسالت روز اول سے روز قیامت تک کے تمام امور کو محیط ہے، اس میں کوئی استثنا نہیں ہے۔علمائے حق کی ایک جماعت نے علم رسالت سے متشابہات کے علم کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، بعض غیوب خمسہ کا استثنا کرتے ہیں، بعض صرف علم قیامت کا استثنا کرتے ہیں، یہ تمام نقطۂ نظر ان علما و صلحا کے ہیں جو متفقہ طور پر برحق اور اہل سنت و جماعت ہیں اور ان کے ان اختلافات کی حیثیت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے لفظوں میں وہی ہے جو اشاعرہ اور ماتریدیہ کے معمولی اختلافات کی ہے۔(دیکھیے فتاویٰ رضویہ: ۹۲/ ۵۴ ۳ پور بندر)

علم غیب کے سلسلے میں اہل حق کے اس واضح موقف اور جائز اختلافات کے بعد انیسویں اور بیسویں صدی کے بعض مصلحین کی نکتہ آفرینیاں اور عقدہ کشائیاں فہم و ادراک سے بالاتر ہیں جن کی بدولت یہ مسئلہ نہ صرف معمہ اور چیستاں بن کر رہ گیا بلکہ ایک طویل مدت تک امت اسلامیہ کو تفریق، تفسیق، تکفیر، جنگ وجدل اور قتل وغارت کی آگ میں جھلساتا رہا، جس کے اثرات آج بھی محسوس کیے جاسکتے ہیں۔اس سلسلے میں ان مصلحین کی روش بھی افسوس ناک ہے جن کا تیور یہ بتاتا ہے کہ انھوں نے ذہن وضمیر اور زبان وقلم کی پوری توانائی اس بات پر صرف کردی کہ علم پیغمبر ختمی مرتبت روحی فداہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کو محدود اور اقل قلیل ثابت کر سکیں اور ان فدا کاران رسالت کا رویہ بھی بہت خوش کن معلوم نہیں ہوتا جنہوں نے وسعت علم رسالت کو ایسا ثابت کیا کہ بسا اوقات علم الٰہی سے مساوات کا شبہ پیدا ہونے لگتا ہے۔ ان کا عقیدہ ہو یا نہ ہو، ان کے لہجے سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جتنا علم تھا سب رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دیا۔ یہ وہی زور بیانی تھی جس نے شاعر کو یہ کہنے کی جرأت دی کہ :

توحید کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد سے

انیسویں اور بیسویں صدی کا طویل عرصہ علم غیب پر ان لایعنی بحثوں میں گزر چکا ہے جو حد افراط میں پہنچ کر علم رسالت کا ڈانڈا علم الٰہی سے ملا دیتی ہیں تو حد تفریط میں عظمت افضل الخلق صلی اللہ علیہ وسلم میں تقصیر اور انکار کا باعث بنتی ہیں۔ اکیسویں صدی ہمارے لیے محاسبے اور بازدید کی صدی ہے۔ اس صدی میں ہمیں اعتدال وتوازن اور اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ امت کی اصلاح فکر و اعتقاد کے ساتھ ان کے بیچ اتحاد و اتفاق کی راہیں تلاش کرنی چاہیے، عامۃ المسلمین کو دین پر قائم رکھنے کی دعوت دینی چاہیے، ایسی دعوت جس میں عظمت توحید بھی سلامت رہے اور عظمت رسالت پر بھی حرف نہ آئے۔ خصوصاً علم غیب کے تعلق سے ہمیں یہ باور کرنے اور دوسروں کو باور کرانے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین و

آخرین میں سب سے زیادہ علم عطا فرمایا ہے۔ایسے میں ان کے علم کا ایسا انکار کہ شان رسالت پر حرف آئے یا ایسا اثبات کہ علم الٰہی سے مساوات کا شائبہ پیدا ہو، دونوں ہی غیر اسلامی طرز فکر ہے۔❑❑❑

اس تحریر کو پڑھنے کے بعد ہمیں نہیں لگتا کہ اس پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت ہے۔اللہ ہمیں حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔